جمہوریت پسند اُس آمر سے سبق کیوں نہیں سیکھتے؟

تحریر: سہیل احمد لون

کنزویٹر پارٹی کی ایم۔پی ماریہ ملر نے عوامی دباؤ پر اپریل میں استعفی دیا۔وہ سیکریٹری آف سٹیٹ فار کلچر، میڈیا، اینڈ سپورٹس تھیں۔ان پر تقریباً نوے ہزار پاؤنڈز کے فراڈ کا الزام تھا جو مکان کی Mortgage کے زمرے میں لیے گئے تھے۔حالانکہ ماریہ ملر کو برطانوی وزیر اعظم ڈیوڈ کیمرون کی مکمل حمایت حاصل تھی مگر اس کے باوجود اس نے استعفی دینے میں عافیت سمجھی۔ماریہ ملر کے استعفی کے بعد پاکستانی نژاد ساجد جاوید کو یہ وزارت سونپی گئی۔ماریہ ملر کے بعد اب کنزرویٹو پارٹی کے ایک اور ایم۔پی Brooks Newmark جو منسٹر آف سول سوسائٹی تھے انہوں نے بھی گزشتہ دنوں استعفی دے دیا۔ماریہ ملر کی طرح بروکس نیو مارک پر مالی کرپشن یا فراڈ کا الزام نہیں تھا مگر وہ ایسے Honey trap میں پھنس گئے جس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ وہ اخلاقی قدروں کی پاسداری نہیں کر سکے۔آج میڈیا کے ساتھ سوشل میڈیا بھی بہت ایڈوانس ہو چکا ہے اور سوشل میڈیا کے پلیٹ فارم سے تقریباً ہر قسم کا کام لیا جا رہا ہے۔سوشل میڈیا کو منفی انداز سے بھی استعمال کیا جا رہا ہے اور مثبت سے بھی۔جناب بروکس نیو مارک کا ٹویٹر اکاؤنٹ بھی ہے جس پر وہ دیگر پارلیمنٹیرین کی طرح سیاسی سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ اپنے خیالات اور تجزیات سے بھی لوگوں کو آگاہ کرتے ہیں۔Sophie Wittam نامی سنہری بالوں والی دوشیزہ نے نیو مارک سے رابطہ کیا جس کے بعد ان میں چند پیغامات کا تبادلہ ہوا، جو جلد ہی ''دوستی'' میں تبدیل ہو گیا۔56 برس کے جناب بروکس نیو مارک جو 5 بچوں کے باپ بھی ہیں چند دنوں میں سنہری بالوں والی دوشیزہ کے سنہری جال میں ایسا پھنس گئے کہ وہ اس کو ایسے پیغامات اور تصاویر ارسال کر بیٹھے جس کا پتہ اگر ان کی بیوی یا بچوں کو لگ جاتا تو ''عورت راج'' والے معاشرے میں جہاں نوٹوں پر بھی مادام کی تصویر ہے ان کے ساتھ کیا سلوک ہوتا یہ برطانیہ اور یورپ میں مقیم ہر شخص بخوبی جانتا ہے۔برطانیہ سمیت یورپ میں یہ عام تاثر ہے کہ Blond girls سنہری بالوں والی لڑکیاں اتنی چالاک نہیں ہوتیں اور ان کو آرام سے دھوکہ دیا جا سکتا ہے۔شاید بروکس نیو مارک نے بھی یہی سوچ کر سنہری بالوں والی دوشیزہ کی زلفوں کا اسیر ہونے کا سوچا ہوگا۔مگر بدقسمتی سے وہ سنہری بالوں والی دوشیزہ ایک
Undercover مرد صحافی Alex Wickham نکلا۔ایلکس ویک ہیم ایک فری لانس رپورٹر ہے جس نے ایک گرم خبر حاصل کرنے کے لیے جعلی آئی ڈی سے اپنے آپ کو ایک لڑکی ظاہر کر کے ٹوری پارٹی کے چند ممبر آف پارلیمنٹ کو جال میں پھنسانے کی کوشش کی جس میں بدقسمتی سے جناب بروکس نیو مارک پھنس گئے۔سنڈے مرر (Sunday Mirror) نے جب یہ سٹوری شائع کی تو بروکس نیو مارک نے سب سے پہلے اپنے غلطی کو تسلیم کر کے معافی مانگی اور وہ کام کیا جس کے لیے ہمارے سیاسی اکابرین، عسکری قیادتیں، بیوروکریٹس، سول انتظامیہ کے اعلی عہدے داران کسی بھی سنگین نوعیت کی غلطی کے بعد بھی کرنا نہیں چاہتے......یعنی اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کی اخلاقی جرات کا مظاہرہ کرنے کا حوصلہ دیکھنے میں نہیں آتا۔بروکس نیو مارک کے استعفی کے بعد ٹوری پارٹی کے ایک ممبر آف پارلیمنٹ
جناب Mark Pritchard نے نیوز ایجنسی کے خلاف شکایت درج کروادی ہے جس میں یہ موقف بتایا گیا ہے کہ صحافی نے خبر لینے

کے لیے انہیں بھی لڑکی بن کر جال میں پھنسانے کی کوشش کی، جو صحافی قدروں کے منافی ہے۔ برعکس نیو مارک کے فعل کے متعلق ملا جلا عوامی ردعمل سامنے آیا ہے۔ بعض لوگ اسے ذاتی فعل قرار دے رہے ہیں، جن کا ماننا ہے کہ بہت سے لوگ دل بہلانے کے لیے ایسے کام کر لیتے ہیں۔ جبکہ نیوز ایجنسی کا موقف یہ ہے کہ ممبر آف پالیمنٹ اور سول سوسائٹی کا وزیر ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص دوہرا معیار رکھتا ہے تو یہ خبر عوام کی دلچسپی کا باعث ہے۔ جان میجر کے دور میں کنزریٹو پارٹی کے منشور میں Family Values بھی شامل کی گئیں تھیں۔ اگر کوئی کنزویٹو پارٹی کا ممبر آف پارلیمنٹ خاندانی قدروں کو ترجیح نہیں دیتا تو عوام کو حقائق بتانا میڈیا کی ذمہ داری ہے۔ یاد رہے کہ برطانیہ میں Phone hacking scandal کے بعد leveson inquiry ہوئی جس کے نتیجے میں نہ صرف برطانیہ کی شہرہ آفاق اخبار نیوز آف دی ورلڈ پر پابندی لگائی گئی بلکہ ایسے انکشافات ہوئے جس سے اعلیٰ پولیس آفیسرز سمیت کئی بڑے نام خبر تک رسائی اور خبر دینے کے لیے غیر اخلاقی اور غیر قانونی سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے۔ Press Compaints Commission (PCC) فون ہاکنگ سکینڈل کو مؤثر طریقے سے respond کرنے میں ناکام رہا جس کے نتیجے میں عوامی اعتماد دوبارہ بحال کرنے کے لیے میڈیا میں چند نئے قوانین متعارف کروائے گئے اور اس کے علاوہ (PPC) کو ختم کر کے اس کی جگہ ایک نیا ادارہ The independent press standard organisation(ipso) متعارف کروایا گیا ہے۔ ابھی اس ادارے کو تین ہفتے ہی ہوئے ہیں کہ ممبر آف پارلیمنٹ جناب مارک پری چارڈ نے میڈیا مالکان اور صحافی کے خلاف شکایت درج کروائی ہے جسے مبصرین (ipso) کے لیے مشکل ٹیسٹ قرار دے رہے ہیں۔ عوام کا اعتماد میڈیا پر برقرار رکھنے کے لیے (ipso) یقیناً کوئی بڑا فیصلہ کرے گی۔

ہمارے سیاسی اکابرین، عسکری قیادتیں، بیوروکریٹس اور سول انتظامیہ کے اعلیٰ عہدے دار گرمیوں کی چھٹیاں ہی نہیں بلکہ علاج معالجے، کاروبار اور دیگر نجی سرگرمیوں کے لیے برطانیہ، یورپ اور امریکہ آتے رہتے ہیں۔ اگر استنبول جا کر میٹرو بس کے منصوبے شروع کیے جا سکتے ہیں تو برطانیہ، یورپ اور امریکہ میں لوگوں کو اخلاقی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے مستعفی ہوتا دیکھ کر ان کی تقلید کیوں نہیں کرتے؟ ماڈل ٹاؤن کے سانحہ کے بعد خادم اعلیٰ نے پریس کانفرنس کے دوران جوش خطابت میں فرمایا تھا کہ اگر ان کا نام سانحہ کے ذمہ داران کی لسٹ میں آیا تو وہ ایک سیکنڈ میں استعفیٰ دے دیں گے۔ اس وقت بڑے میاں سمیت دیگر کئی سیاسی رہنماء ایسے ہیں جن پر ایف۔ آئی۔ آر درج ہو چکی ہیں مگر ان کے نزدیک شاید اخلاقی قدریں یا اخلاقی جرات غریب عوام کے لیے ہی ہوتی ہیں۔ وطن عزیز میں تو اقتدار ایسی لانڈری ہے جس میں کرپشن، فراڈ، ظلم، دھاندلی، نااہلی، جھوٹ اور دھوکے جیسے تمام داغ دھل جاتے ہیں۔ جہاں اخلاقی قدروں کی قدر ہو وہاں استعفیٰ مانگا نہیں جاتا بلکہ عزت نفس رکھنے والے خود ہی مستعفی ہو جاتے ہیں۔

ہم آمریت اور آمروں کی مخالفت تو کرتے ہیں لیکن اگر کسی آمر کی زندگی کا ایسا واقعہ ہو جو جمہوریت پسندوں کیلئے مشعل راہ بن سکے تو ہم لکھنے میں پس و پیش سے کام لیتے ہیں۔ شاید اُس وقت ہماری جمہوری اخلاقیات اس کی اجازت نہیں دیتی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر کسی کے کردار میں ایک بھی خوبی موجود ہے تو وہ منظرِ عام پر آنی چاہیے۔ جنرل ایوب بدترین آمر تھا لیکن اُس کی ایک خوبی یہ بھی تاریخ کا حصہ ہے کہ اُس نے جب صدارتی محل میں اپنے پوتے کو دوسرے بچوں کے ساتھ ملکر وہ نعرے لگاتے سنا جو سڑکوں پر لگ رہے تھے تو اُس نے فوری

استعفادے کر صدارتی محل کو خیر باد کہہ دیا۔ایک آمر اقتدار جس کی لونڈی ہوتی ہے وہ اگر وہ اتنی جرات اور غیرت کا مظاہرہ کر سکتا ہے تو ہم جمہوریت پسندوں کو کچھ سبق آمروں سے بھی سیکھ لینا چاہیے کیوں کہ آمروں کو تو سیکھنے کی عادت نہیں ہوتی۔

تحریر: سہیل احمد لون
سربٹن۔سرے
sohailloun@gmail;.com

01-10-2014.